© rasailojaraid.com

عتیق الرحمٰن سنبھلی (لندن)

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

کون ہوتا ہے حریف مۓ مرد افگن عشق

ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

قرآن پاک سورہ ۳۳ (الاحزاب) میں ایک آیت آتی ہے اس سورہ میں غزوہ احزاب (جو غزوہ خندق کے نام سے مشہور ہے) کے ان سخت حالات کا ذکر ہے جن کا ثابت قدمی سے مقابلہ کرنے والے مسلمانوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے بڑی تعریف و ستائش پائی ہے اس تعریف کے مضمون کی یہ آیت ہے۔ (ترجمہ) "ان اہل ایمان میں کتنے ہی وہ مردان جانباز ہیں جنہوں نے سچ کردکھایا اس عہد کو جو اللہ سے انہوں نے باندھا تھا پس کوئی ان میں پورا کر چکا ہے اپنا ذمہ اور کوئی ان میں راہ دیکھ رہا ہے اور بدلا نہیں ہے انہوں نے ایک ذرہ بھر بھی (آیت نمبر ۲۳)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ جو گزرنے والے سال ۱۹۹۹ء کی آخری تاریخ ۳۱ دسمبر مطابق ۲۳ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ کو ہماری اس دنیا سے کنارہ فرما گئے انہی مردان باخدا کی روایت کے امینوں میں سے ایک تھے اور جس وقت اور جس تاریخ میں یہ سانحہ پیش آیا اس وقت نہ صرف برصغیر پاک و ہند میں بلکہ بلامبالغہ پورے عالم اسلام میں وہ اپنے ممتاز مرتبے کی تنہا شخصیت رہ گئے تھے۔ اللہ انہیں اپنی بے پایاں رحمتوں سے نہال اور مالامال فرمائے اور ان کے اٹھ جانے سے پیدا ہونے والے خلا کے پر ہونے کی کوئی طرح اپنی قدرت کاملہ سے ڈال دے۔

یوں تو عالم اسلام کا کوئی قابل ذکر حصہ مشکل ہی سے ایسا ہو گا، جہاں کے دینی رجحان رکھنے والے پڑھے لکھے مسلمانوں میں مولانا کی وفات کو ملت کا ایک بڑا نقصان نہ سمجھا جائے مگر اس کا سب سے زیادہ خسارہ قدرتی طور سے انہیں لوگوں کے حصے میں آنے کا خطرہ ہے جن کیلئے مولاناؒ کی ذات سب سے زیادہ فائدے کا باعث رہی تھی۔ یعنی مولانا کے ہم وطن مسلمانانِ ہند راقم سطور کا تعلق بھی نہ صرف اسی سرزمین ہند سے ہے بلکہ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۷ء تک جس کے بعد آب ودانہ انگلستان لے آیا، مولانا نے اتنے قریب ہو کر رہنے کا موقع دیا ہے کہ جس سے زیادہ موقع ان کے اہل خانہ اور قریبی اعزہ و اقارب کے علاوہ کم ہی لوگوں کو رہا ہو گا اس بنا پر اسے یہ جاننے کا بھی پورا موقع رہا کہ مولانا کی ذات میں مسلمانان ہند کیلئے فائدوں کی کیا نوعیت تھی اور ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد سے ہندوستانی مسلمانوں کا یہ حصہ دین اور دنیا دونوں کے اعتبار سے جس آزمائش میں چل رہا ہے اس آزمائش اور ابتلاء کے طویل دور میں مولانا کا کیا کردار اس ملت ہند یہ کی خدمت کے سلسلے میں رہا ہے۔ صرف اس پہلو سے مولانا کی زندگی کا کچھ تذکرہ بھی یہ دکھانے کو انشاء اللہ کافی ہو گا کہ مولانا انہی مردان باخدا کی مقدس روایت کے امین تھے جن کا ذکر مذکورہ بالا آیت قرآنی میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا گیا ہے۔

ہندوستان کی تقسیم ابھی ہوئی نہیں تھی صرف ۳ جون ۴۷ والی قرارداد ہی ہوئی تھی یا اس سے بھی کچھ پہلے جبکہ کانگریس اور مسلم لیگ میں سمجھوتے کے تمام امکانات تباہ ہو چکے تھے اور بزعم تقسیم کے ملک کا کوئی اور مقدر خارج از امکان بن گیا تھا۔ پنجاب کے جوہر آباد ضلع خوشاب سے ایک پرزور اور انتہائی مخلصانہ دعوت آئی کہ اب جبکہ ملک تقسیم ہونے جا رہا ہے آپ ادھر کو ہجرت کا ارادہ فرمالیں۔ ہر طرح کے انتظامات آپ کیلئے کر لئے گئے ہیں آپ کی یہاں ضرورت ہے یہ دعوت دینے والے وہ مرحوم چودھری نیاز علی خان تھے جنہوں نے پٹھان کوٹ کے قریب اپنی ستر ایکڑ زمین وقف کر کے اس پر وہ عمارتیں مع ایک خوبصورت مسجد کے بنائی تھیں جو دارالسلام کے نام سے موسوم ہوئیں اور ۴۲ء سے ۴۷ء تک جماعت اسلامی ہند کے مرکز کے طور پر استعمال ہوتی رہیں۔ تقسیم سے پہلے چودھری صاحب کا مسکن اس دارالسلام کے قریب ہی جمالپور نامی گاؤں تھا جہاں پر چودھری صاحب کا وسیع وعریض فروٹ فارم ہوتا تھا۔ چودھری نیاز علی خان صاحب کی اس دعوت کے مخاطب حضرت مولانا تنہا نہ تھے بلکہ راقم سطور کے والد مرحوم مولانا محمد منظور نعمانی (وفات ۱۹۹۷ء) جن کے ساتھ مولانا کا رشتہ ایک جان دو قالب کا بنتا جا رہا تھا۔ وہ بھی اس میں شریک بلکہ چودھری صاحب کی طرف سے ذریعۂ دعوت بھی وہی تھے اس لیے کہ چودھری صاحب کو زیادہ واقفیت میرے والد ماجد ہی سے تھی بہر حال اس پر خلوص دعوت کا جواب جس پر چودھری صاحب کی آزمودہ شخصیت کے حوالے سے پورا اعتماد کیا جا سکتا تھا، یہ دیا گیا کہ ہمیں ہندوستانی حصے میں رہ جانے والے مسلمانوں کے ساتھ ہی رہنا اور جینا مرنا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری ضرورت یہاں زیادہ ہے۔

یہاں تذکرہ صرف مولانا علی میاں کا مقصود ہے اس لئے اب میں صرف انہی کے حوالے سے عرض کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کی خدمت اور اس کیلئے اور ان کے دکھ سکھ میں شریک رہنے کا جو عہد ۱۹۴۷ء میں باندھا تھا اسے پوری ثابت قدمی اور دلجمعی کے ساتھ اپنی زندگی کے آخری سانس تک نبھایا۔

ع........خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

تقسیم کے بعد والے ہندوستانی مسلمانوں کو دو طرح کے مسائل کا سامنا تھا ایک ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ دوسرے ان کے دین کی سلامتی جس کو اس وقت سے خطرہ لاحق ہو چکا تھا جب شدھی سنگھٹن وغیرہ کی تحریکیں کوئی ۲۵ سال پہلے برہمنیت کے خطرناک عزائم کو آشکارا کر گئیں تھیں۔ ان دونوں میں سے پہلی قسم کے مسائل میں مسلمانوں کی خدمت گزاری کیلئے جمعیت علماء ہند کی لیڈر شپ اور وہ دوسرے نیشنلسٹ مسلمان بہتر پوزیشن میں تھے جنہوں نے تقسیم ہند کے خلاف کانگریس کے شانہ بشانہ لڑائی لڑی تھی اور حق ہے کہ ان حضرات نے اس معاملے میں کوئی کسر اٹھائے نہیں رکھی وہ بلا کسی تفریق کے ہر کلمہ گو کی مدد کو ہر طرف دوڑے حتی کہ جمعیت علماء ہند کے دیوبندی علما نے تعزیے اٹھوانے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عرس کروانے تک میں ان مسلمانوں کے حق کی لڑائی لڑی جو ان باتوں کے قائل تھے۔ مولانا علی میاں صاحب (اور ان کے رفیق خاص میرے والد ماجد) اس زمرے میں نہیں آتے تھے۔ یہ عملاً سیاست کے بجائے مسلمانوں کی دینی خدمت کا زیادہ ذوق رکھتے تھے اور پہلے سے اسی لائن پر کام کرتے آرہے تھے مولانا نے خاص طور سے ہندوستانی مسلمانوں کی جس دینی خدمت کو اپنی تقریری اور تحریری جدوجہد کا مرکزی نقطہ بنایا وہ ان کے توحیدی مزاج کی حفاظت تھی۔

مولانا خاندانی طور پر حضرت سید احمد شہید کے وارث تو تھے ہی اس پر مزید (خود ان کے بیان کے مطابق ان کے دینی ذوق و مزاج کی تعمیر و تربیت میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات کو بہت خاص دخل تھا جس میں اکبری دین الہی کا توڑ کرنے کیلئے ایک فقیر بے نوا کی بے چینیاں ایک عالم کو بے چین کر دینے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ نئے ہندوستان میں یہی فتنہ نئے سرے سے سر اٹھانے یا ایک نئی بساط کار بچھانے جا رہا تھا اور اس نے زبردست حکومتی وسائل کے ساتھ اپنی بساط کار بچھائی مولانا نے اولین دن سے جو اس کو اپنا خاص نشانہ بنایا تو آخر تک بنائے ہی رکھا وہ برہمنیت کے توڑ میں مسلمانوں کو صاف صاف دعوت دیتے تھے کہ ابراہیمیت کو اپنا اسوہ بنائیں اور اسوہ ابراہیمی کی پیروی میں کوئی سمجھوتہ مشرکانہ دین سے نہ کریں۔ اللہ نے مولانا کو تحریر و تقریر دونوں ہی پر بھرپور قدرت دی تھی اور انہوں نے اپنے مالک کی دی ہوئی اس قدرت کو اس کی سب سے اہم "وصیت" اخلاص توحید اور حفاظت توحید میں لگایا۔

ان کے بالکل آخری دور کا (غالباً گزشتہ سال کے نومبر یا دسمبر کا) واقعہ ہے کہ یوپی کے سرکاری سکولوں میں بندے ماترم کو رواج دینے کی جو ایک مہم چل رہی تھی اور دیوبند سے اس کے خلاف فتوی نکلا کہ مسلمان بچوں کیلئے اس میں شرکت حرام ہے۔ تب مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر کی حیثیت سے بعض انگریزی اخبارات کے نمائندوں نے مولانا کا نقطہ نظر اس معاملے میں جاننا چاہا۔ مولانا کا جواب ٹھیٹ ابراہیمی لہجے میں دوٹوک تھا کہ ہم مشرکانہ گیت میں شرکت کی بجائے مر جانا پسند کریں گے۔ اس تاریخ ساز جواب نے کم از کم فوری اور ظاہری طور پر بندے ماترم کی بساط یوپی سکولوں سے لپیٹ دی باقاعدہ اس حکم کی منسوخی کا اعلان ہوا اور وزیر تعلیم بیک بینی دو گوش برخاست۔

آج کی بھارتی گورنمنٹ جس بھارتیہ جنتا پارٹی کی سربراہی میں چل رہی ہے اس کا مسلمانوں سے صاف صاف کہنا رہا ہے کہ انہیں بھارتی تہذیب کو اپنانا ہوگا مذہب وہ اپنا رکھیں یہ بات کانگریسی لیڈروں کے ایک طبقے کی زبان پر بھی آزادی کے کچھ ہی دنوں بعد ایک غیر جارحانہ انداز میں (یا کہئے دعوت و تلقین کے انداز میں) آگئی تھی ان میں سب سے نمایاں جواہر لال کے ہم وطن، بابو پرشوتم داس ٹنڈن تھے جنہوں نے کانگریس میں اتنی طاقت حاصل کر لی تھی کہ جواہر لال کے امیدوار (اچاریہ کرپلانی) کے مقابلے میں آل انڈیا کانگریس کے صدر منتخب ہوئے اپنے انتخاب کے فوراً بعد انہوں نے یہی راگ اٹھایا تب ہمارے مولانا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے "مذھب یا تہذیب" کے عنوان سے ایک عالمانہ مقالہ لکھ کر اس فاشسٹ راگ کو چیلنج کیا وہ ایک قابلِ دید مقالہ ہے اللہ نے مولانا کو بات کہنے کا وہ سلیقہ دیا تھا کہ سخت سے سخت بات بھی کڑواہٹ سے دور ہوتی تھی اس لئے سنی جاتی تھی۔ اس طرح کی باتوں کا خاص پس منظر یہ تھا کہ ہندوستان کے ہندی بولنے والے صوبوں اور خاص کر یوپی میں پرائمری اور سیکنڈری سطح پر وہ نصاب تعلیم رائج کیا جارہا تھا جو بچوں کے دل و دماغ پر ہندو تہذیب اور ہندو تاریخ کی چھاپ لگائے اس کے مقابلے کیلئے ہندوستانی مسلمانوں کی طرف سے جو کوششیں شروع ہوئیں ان میں سب سے زیادہ نمایاں ایک کوشش یوپی دینی تعلیمی کونسل کے قیام کی شکل میں ۱۹۵۹ء میں سامنے آئی حضرت مولانا کو اس کا صدر منتخب کیا گیا اور آخر تک آپ ہی اس عہدے پر رہے اسی کوشش کے رد عمل میں یوپی کے اس وقت کے وزیر اعلیٰ (یا اگر میں بھول رہا ہوں تو وزیر تعلیم جو بعد میں بہر حال وزیر اعلیٰ ہی ہوئے) ڈاکٹر سچد یوانانند نے جو بہت فاضل شخص مانے جاتے تھے ایک تقریر میں ایک عالمانہ انداز کا سوال اٹھایا کہ آخر ایران میں اسلام آجانے کے بعد تو وہاں کے لوگوں نے اپنے نامور آباؤ اجداد سے رشتہ نہیں توڑا وہ بہرام و افراسیاب کی داستانوں پر ایسے ہی فخر کرتے رہے تو ہمارے ہندوستانی مسلمانوں کو کیا دقت ہے کہ وہ "کرشن" اور "ارجن" سے بھی اپنا رشتہ قائم رکھیں ہمارے مولانا نے اس کا جو جواب دیا بابو سچد یوانانند نے بھی اس کا نوٹس لیا اور ماہنامہ الفرقان لکھنؤ جہاں مولانا کا مضمون شائع ہوا تھا اس کو اپنا جواب اپنے ہی قلم سے اردو میں لکھ کر بھیجا جو ایک بڑا شائستہ جواب تھا۔

الغرض مولانا کی عالمی سطح پر ان اسلامی خدمات کے پہلو بہ پہلو جن سے باہر لوگ فی الجملہ واقف ہیں ہندوستانی مسلمانوں کے سلسلے میں مولانا مرحوم کا خاص کارنامہ ان کے توحیدی مذہب اور تہذیب کی ہمہ دم پاسبانی کی جدوجہد ہے اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بھرپور اجر عطا فرمائے اور مسلمانانِ ہند کو ان کا ثانی۔ آمین۔

بقیہ از ص 24

سے رابطہ کریں جنھوں نے ۶، جنوری کی شام رؤیت ہلالِ عید الفطر کا اعلان کیا تھا ان کے علاقوں میں جا کر ان کے مہمان بن کر ۵ فروری اور ۶ مارچ کی شام ان حضرات کے رؤیت ہلال کے دعوؤں کی تصدیق کریں..... کوئی رؤیت نہ ہوسکے گی نہ کوئی کرا سکے گا، چاند اگلے روز ہی نظر آسکے گا اور عید الاضحیٰ جمعۃ المبارک ۱۷، مارچ ہی کو ممکن ہوگی اس سے پہلے درست نہ ہوگی۔

۹، ذی الحجہ عرفہ کا دن یعنی میدان عرفات میں حاضری کا دن ۱۶ مارچ خمیس کا دن ہوگا..... ہمارے وہ علماء کرام جو اس سال حج کی سعادت حاصل کرنے مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ کسی بھی مقدس مقام پر موجود ہوں براہ کرم وہ ۶ مارچ کی شام چاند دیکھنے کی کوشش کر دیکھیں چاند کی رؤیت ناممکن ہوگی مگر آپ یقین کریں سرکاری اعلان میں اسی شام کو پہلی شب ذی الحجہ شمار کیا جائے گا اور شرعی شہادت کا نام لے کر کیا جائے گا اور ڈھونڈنے والوں کو چاند / ہلال سات مارچ کی شام ہی کو نظر آئے گا اس سے پہلے نہیں۔ اسلامی ہجری پندرہویں صدی کا بیسواں سال ختم ہو رہا ہے اور مسیحی بیسویں صدی ختم ہونے کو ہے اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کو عزت و عظمت اور وحدت و قوت سے نوازے اور بصیرت قلب و نظر عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

© rasailojaraid.com